برصغیر میں اسلام کے ابتدائی آثار (تاریخی پسِ منظر میں ایک مطالعہ)

The Initial Bases of Islam in Subcontinent

(A Study in Historical Perspective)

Dr. Mohsin Raza

Assistant Professor USWA College, Islamabad.

E-mail: mhashmi114@gmail.com

Sada Hussain Alvi

PhD. Scholar, University of Haripur

E-mail: aghaalvi@gmail.com

Abstract

Islam is recognized as a moral and rational way of life. It is a 'Natural Religion' (*Dīn al-Fitrah*). Its universal teachings attract every sensible person. This is the concrete reason of its rapid extension in the whole world. However, in subcontinent it is widely propagated by orientalists and prejudiced Hindus that Islam is promulgated in the region with the power of sword. On contrary, a majority of Muslims imagines of Muhammad Bin Qasim as advocator of Islam. For a realistic historic approach it is necessary to study the religion, values and traditions of Hindus if that time. In this article the Arabs-Hindus relations, the role of Prophet's (PBUH) companions, scholars, saints; Islamic equality, humanity; practice against discrimination of casteism etc. have been declared the basic elements of advent and promotion of Islam in Subcontinent.

***Key Words*:** Islam, Subcontinent, Humanity, Hindus.

خلاصہ

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس کو 'دینِ فطرت' کہا گیا ہے۔اسلام کی آفاقی تعلیمات ہر عقل سلیم رکھنے والے انسان کو اپنی طرف راغب کرتی ہیں۔ اسلام کے تیز پھیلاؤ کی یہ ایک ٹھوس وجہ ہے۔ البتہ برصغیر کے حوالے سے مستشرقین اور متعصب ہندوؤں نے یہ تصور ابھارنے کی کوشش کی کہ یہاں تلوار کی طاقت سے اسلام کو فروغ ملا۔ لیکن حقیقت پسندانہ نقطہ نظر کے لئے اس دور کے رائج مذہب، اقدار اور روایات کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ اس تحقیق میں عرب و ہند تعلقات، برصغیر میں فروغِ اسلام کے مختلف ادوار، اصحاب، اولیاء اور مبلغین کا کردار، مساوات اور انسانیت کا اسلامی تصور، طبقاتی نظام کے خلاف تعلیمات اور مسلمانوں کے حسنِ اخلاق کو برصغیر میں اسلام کے فروغ میں بنیادی عناصر قرار دیا گیا ہے۔

کلیدی کلمات: اسلام، برصغیر، انسانیت، ہندو۔

تعارف

برصغیر پاک و ہند کا شمار انسانی تہذیب و تمدن کے قدیم ترین گہواروں میں ہوتا ہے۔ اسلام کے ماننے والے دنیا کے کسی اور خطے میں اتنی بڑی تعداد میں آباد نہیں جتنے یہاں آباد ہیں۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ دینِ اسلام کی روشنی اس خطہ میں محمد بن قاسم کی شمشیر کی بدولت پہنچی ہے جبکہ مستشرقین اور متعصب ہندوؤں کا کہنا ہے کہ مسلمان فاتحین بالخصوص محمود غزنوی کی حملوں کی بدولت اسلام اس علاقے میں آیا۔ یہ پروپیگنڈا اس حد تک زور پکڑ چکا ہے کہ بہت سارے اہلِ اسلام بھی اس کی زد میں آچکے ہیں اور عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ عرب و ہند ایک دوسرے کے لئے ہمیشہ سے اجنبی ملک تھے، نہ اہلِ ہند عربوں کو جانتے تھے اور نہ ہی اہلِ عرب ہندوؤں کو، اور اسی حالت میں یہاں اسلام پہنچ گیا۔

مگر تاریخی حقائق اس کے برعکس ہیں۔ برصغیر میں نہ تو اسلام بزورِ شمشیر پہنچا اور نہ ہی ایسا ہے کہ اہلِ ہند حجاز میں اسلام اور رسول خداﷺ کی شخصیت سے ناواقف تھے، بلکہ اہلِ ہند اور عربوں کے تعلقات کی تاریخ تو ظہورِ اسلام سے بھی قبل کی ہے۔ چنانچہ اس تحقیقی مقالہ میں قبل از اسلام عرب و ہند کے تعلقات، ہند میں اشاعتِ اسلام کے مختلف ادوار، اصحاب رسولﷺ، علماء و صوفیاء اور مبلغین کا کردار، مساوات اور انسان دوستی کا عقیدہ، ذات پات وطبقاتی تفریق سے بیزاری کا عملی درس، مسلمانوں کا حسنِ معاشرت جیسے عوامل کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے جو اس خطہ میں اسلام کی آمد اور اشاعت کا باعث بنے۔

ورودِ اسلام سے قبل ہندوستان کا مذہب

تقریباً دو ہزار سال قبل مسیح (۲۰۰۰-۱۵۰۰ ق م) کے قریب آریا[1] ہندوستان میں آئے[1] اور ایک عرصے تک وہ مقامی لوگوں سے لڑائی میں مصروف رہے۔ یہ آریائی لوگ کون تھے اور کہاں سے آئے تھے؛ اس حوالے سے مؤرخین کا خیال ہے کہ یہ لوگ یورپ سے ہجرت کرکے آئے تھے۔ جبکہ بعض ان کو 'دریائے جیحون' کے باشندے سمجھتے ہیں جو تلاش رزق کے لئے یورپ، ایران اور افغانستان سے ہوتے ہوئے وادی سندھ آپہنچے۔ دوسری رائے کے مطابق اصل میں یہ ایران سے تھے اور سندھ کے قریب ہی ایران کے قبیلے موجود تھے۔ اس آخری رائے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ فارسی زبان کے بے شمار الفاظ سنسکرت میں ملتے ہیں اور تاریخی اعتبار سے یہ بھی ثابت ہے کہ ہندوستانیوں نے فارس کے علاقہ کی طرف کبھی بھی مہاجرت نہیں کی، چنانچہ آریائی

[1] ۔ "آریا" سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب عالی مرتبہ، "معزز افراد" یہ لفظ مہاجرین کے ایک گروہ پر لاگو ہوتا تھا۔ دوسری صدی قبل مسیح میں ایران کے خطوں سے وادی سندھ میں آئے۔

اور ایرانی لوگوں کا تعلق ایک ہی علاقہ سے ہے۔ ۱۵۰۰۔۱۰۰۰ قبل مسیح میں آریا ستلج تک پہنچے اور گنگا جمنا تک بڑھے اور اسی دور میں اس میں انہوں نے فتوحات حاصل کیں اور ملک کے اصل باشندوں کو مغلوب و محکوم بنالیا۔ اسی زمانہ میں وید تصنیف ہوئے اور کوروؤں اور پانڈوؤں کی جنگ ہوئی۔[2]

یہ وہ دور تھا جس میں مظاہر پرستی اور خصوصاً اگنی، اندر[3]، سوریہ (سورج کا دیوتا) اور ورون[4] کی پرستش عام تھی۔ ان میں اِندر (طاقت کا دیوتا) اور ورون (راستی کا دیوتا) کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ دیوتاؤں کو خوش اور راضی کرنے کے لیے رسومات ادا کی جاتیں اور قربانی پیش کی جاتی تھی۔ ۱۰۰۰۔۳۲۰ قبلِ مسیح عروج کا دور ہے جس میں آریاؤں نے اپنی فتوحات کو مزید وسعت دی۔ یہ دور جنگوں اور عملی کارناموں کے باعث اہمیت رکھتا ہے۔ فلسفہ کو خاص زور حاصل ہوا اور ہند کے اصل باشندوں پر اپنا غلبہ و تسلط برقرار رکھنے کے لئے آریاؤں نے طبقاتی و ذات پات کا نظام وضع کیا، جس کے لئے مذہب کو بنیاد بنایا گیا۔ اس طرح ایک عالمگیر تحریک کا آغاز ہوا، یعنی ہندومت کی بنیاد پڑی۔

اس عہد کے اہم ترین اور امتیازی کارنامے یہ تھے:

1) جنگ وجدل اور فتوحات۔
2) برہمنوں کی قوت اور ذات کا زور۔
3) معاشرتی اور علمی ترقی۔
4) اپنشد یعنی روحانی تعلیم کا ارتقاء۔

مذکورہ تینوں ادوار میں ہندو مذہب کو 'برہمن دھرم یا برہمن مت' سے ہی تعبیر کیا جاتا ہے، کیونکہ اس وقت تک برہمن طبقہ کو ایک مرکزی وبنیادی حیثیت حاصل تھی۔ ب۔ برہمنوں کے اس عہدِ زریں میں مذہبی ادب وجود میں آیا جس ویدک ادب کہا جاتا ہے۔ اوراس وجہ سے اس کو ویدک مت بھی کہا جاتا ہے۔ ۳۲۰۔۵۰۰ قبل مسیح بدھ مت کے غلبے اور ردعمل کا دور ہے۔ جب راجہ اشوک اور اس کے نائبین کے تعاون سے بدھ دھرم کا زور و شور رہا۔ علوم وفنون کو رونق ہوئی۔ شاعری، صرف ونحو، فنون، نجوم، فلسفہ وغیرہ اور تالیف و تصنیف کو ترقی ملی، جس کی بدولت برہمنی مت اور اس کے زور کو ختم کیا گیا اور طبقاتی نظام کے خلاف پر زور آوازیں اٹھائی گئیں۔ ۶۳۴۔۱۰۰۰ عیسوی برہمنوں کے دوبارہ عروج اور بدھ دھرم کے زوال کا دور ہے اس کا آغاز اس مناظرے سے ہوا جو ۶۳۴ء میں برہمنوں اور بدھسٹوں کے مابین ہوا۔ اس مناظرے میں برہمن علماء کو بدھ علماء پر غلبہ حاصل ہوا اور دوبارہ سے یہ مذہبی تفوق بڑھتا گیا یہاں تک کہ شنکر اچاریہ (۷۸۸۔۸۳۰ء) کی قلم نے بدھ مت کا کام تمام کردیا۔[5]

پس اس تفصیل سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ جب اسلام کا ظہور ہوا اس وقت تک بدھ مت کو ہندوستان میں غلبہ حاصل تھا مگر یہ مذہب اب زوال کی طرف مائل تھا اور برہمنی مذہب ارتقاء اور ترقی کی منازل طے کر رہا تھا۔ برہمن "بدھ" مذہب کو ختم کرکے آرین مذہب قائم کرنا چاہتے تھے۔ گویا دونوں مذاہب اپنی بالا دستی کی جنگ لڑ رہے تھے۔ انگریز مورخ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ "صحیح تو یہ ہے کہ یہ دونوں دین ہزار سال سے زیادہ یعنی سن عیسوی کے ۳۵۰ برس قبل سے سن ۱۰۰۰ء تک ساتھ ساتھ جاری رہے اور ہمارے زمانے کا ہندو مذہب دونوں سے ملکر بنا ہے۔ اگرچہ ہند کی بعض سلطنتوں میں گاہے بودھ کے مذہب کو غلبہ ہوا مگر تاہم برہمنوں کا دین مطلق جاتا نہیں رہا۔ ملک چین کے سیاح جو ہند کی سیر کو ۴۰۰ء سے ۶۳۰ء تک آئے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے بودھوں کی خانقاہ اور برہمنوں کے مندر برابر دیکھے ہیں۔"[6]

اسلام سے پہلے ہندوستان کی مذہبی حیثیت

ہندوستان میں بدھ مذہب کو "راجا اشوک" (موریہ سلطنت کا تیسرا بادشاہ) کے زمانے میں کافی ترقی ملی؛ لیکن اس کے بعد اس کی شہنشاہی ٹکڑوں میں منقسم ہو گئی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ بدھ کی اصل تعلیمات مسخ ہو گئیں اور عبادت و اخلاق کی بنیاد کھوکھلی ہو کر رہ گئی کیوں کہ اشوک کے عہد کو ۹سو برس اور گوتم بدھ کے زمانے کو تقریباً ۱۲ سو برس ہو چکے تھے۔[7] چنانچہ پورا معاشرہ بت پرستی و بد عقیدگی اور شدت پسندی کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا۔ اسی زمانے کے احوال کی نقاب کشائی مؤرخ اکبر شاہ نجیب آبادی اس طرح کرتے ہیں کہ سندھ میں بت پرستی عام تھی، مجرموں کی شناخت کے لئے انہیں جلتی آگ میں سے گذارنے کا رواج بھی عام تھا، اگر آگ میں جل گیا تو مجرم اور بچ گیا تو بے گناہ تھا۔[8] مزید لکھتے ہیں کہ جادو کا عام طور پر رواج تھا، غیب کی باتیں اور شگون کی تاثیرات بتانے والوں کی بڑی گرم بازاری تھی، محرمات ابدی کے ساتھ شادیاں کر لینے میں تامل نہ تھا، راہزنی اکثر لوگوں کا پیشہ تھا، اعلیٰ و ادنٰی پتھر کی مورتوں اور بتوں کو حاجت روا سمجھتے تھے۔[9]

طبقہ بندی اور ذات پات کا نظام اپنی انتہا کو چھو رہا تھا یہاں تک کہ ایک قوم "شودر" نامی ہے جس کے متعلق منوشاستر میں ہے "اگر کوئی شودر کسی برہمن کو ہاتھ لگائے یا گالی دے تو اس کی زبان تالو سے کھینچ لی جائے، اگر اس کا دعویٰ کرے کہ اس (برہمن) کو تعلیم دے سکتا ہے تو کھولتا ہوا تیل اس کو پلایا جائے، کتے، بلی، مینڈک، چھپکلی، کوے، الو اور "شودر" کے مارنے کا کفارہ برابر ہے۔"[10] گویا برہمن افراد کو جرائم کی سخت سزائیں نہیں دی جاتی تھیں جبکہ اس کے برعکس دیگر افراد کو سخت ترین سزاؤں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

عرب وہند کے تعلقات کا پس منظر

کتب تواریخ سے عندیہ ملتا ہے کہ سندھ اور ہند عربوں کے نزدیک دو الگ الگ ملک تھے، جو ان کے مشرق میں سمندر پار پڑتے تھے۔ سندھ کا ملک ہندوستان، کرمان اور سجستان وغیرہ کی حدود سے گھرا ہوا تھا۔ اس کے بعد ہندوستان کا ملک پڑتا تھا جو مشرق میں چین کی حدود سے ملتا تھا، اور عرب دونوں ملکوں کو ملا کر ہند بھی کہتے تھے۔ قدیم ترین عرب جغرافیہ نویس ابن خردادبہ نے بلادِ سندھ میں ان شہروں کو شمار کیا ہے: قیقان (کیگان، قلات) بنہ، مکران، مید، قندھار (گندھارا)، قصدار، بوقان، قندابیل، ارمابیل، دیبل (قریب کراچی)، قنبلی، قبایا، سہبان، سدوسان، راسک، الرور، سادندری، مولتان، سندان (سنجان، بمبئی)، مندل، بیلمان (بھیلمان گجرات)، سرست، کیرج، مرمد، فالی (پالی، جوناگڑھ)، دھنج (گجرات)، بروص (بھڑوچ)۔[11]

بعثتِ نبوی ﷺ سے بھی پہلے ہندوستان کے مختلف قبائل: زط (جاٹ)، مید، سیابجہ یا سیابجہ، احامرہ، اساورہ، بیاسرہ اور تکرّی (ٹھاکر) کے لوگوں کا وجود بحرین، بصرہ، مکہ اور مدینہ میں ملتا ہے۔ چنانچہ ۱۰ ہجری میں نجران سے بنو حارث بن کعب کے مسلمانوں پر مشتمل ایک وفد نے اللہ کے رسول ﷺ سے ملاقات کی۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں دیکھ کر دریافت کیا کہ یہ لوگ کون ہیں جو بظاہر ہندوستان کے لگتے ہیں؟"[12] اس حوالے سے اسحٰق بھٹی اپنی مذکورہ کتاب میں فرماتے ہیں کہ "کتب تاریخ و جغرافیہ سے واضح ہوتا ہے کہ جاٹ برصغیر سے ایران گئے اور وہاں کے مختلف بلاد و قصبات میں آباد ہوئے، پھر ایران سے عرب پہنچے اور عرب کے کئی علاقوں میں سکونت اختیار کرلی۔"[13] نیز تاریخ میں ان قبائل کا خلافتِ شیخینؓ میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے ہاتھ پر مسلمان ہونے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔[14]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان قبائل میں سے بعض کے بہت سے رشتہ دار ایسے تھے جو تھانہ، بھڑوچ اور اس نواح کے مختلف مقامات میں آباد تھے۔ یوں اہل عرب و اہل ہند کے مابین تعلقات بڑھنے لگے یہاں تک کہ برصغیر اور عربوں کے درمیان باہمی شادی بیاہ کا سلسلہ بھی چل پڑا۔ اس ہم آہنگی کی سب سے اہم کڑی عرب و ہند کے تجارتی تعلقات تھے، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے نت نئے اشیائے خورد و نوش وغیرہ، ناریل، لونگ، صندل، روئی کے اور مخملیں کپڑے، سندھی مرغی، تلواریں، چاول اور گیہوں اور دیگر اشیاء عرب مارکیٹوں میں لائی جاتیں۔ عربوں کی جن مارکیٹوں میں ہند کی یہ اشیاء لائی جاتی تھیں وہ اس زمانے کی مشہور منڈیاں کہلاتی تھیں جیسے صُحار، ظفار، جار، عدن، عکاظ، یمن، دومۃ الجندل، صنعا، نجران، مآرب اور غمدان وغیرہ۔ جاہلی دور کے خاص خاص بازاروں میں عمان کے سوق صحار اور سوق دبا (دُبّی) بہت مشہور تھے، جن میں سندھ، ہند، چین اور مشرق و مغرب کے غیر ملکی تاجر جمع ہوتے تھے۔ ان کا نگران مقامی حاکم حلبندی بن متکبر تھا، جو تاجروں سے عشر لیتا تھا۔[15]

ظفار اور صُحار کو بحری تجارت میں بنیادی اور کرکزی اہمیت حاصل تھی۔ چنانچہ احمد امین مصری لکھتے ہیں کہ مشرقِ حضر موت میں بازارِ ظفار خوشبوؤں اور گرم مسالوں کی ایک قدیم مارکیٹ ہے جہاں ہندوستان سے اب بھی مال بھیجا جاتا ہے۔[16] جنوبی ہند میں ہندوستانیوں کی بحری تجارت کا اہم مرکز یمن تھا جس میں صنعاء، قصر، غمدان، مآرب، نجران اور عدن جیسے بڑے بڑے شہر شامل تھے۔ ابن خرداذبہ نے عدن کے بارے لکھا ہے: ”یہاں پر عنبر، عود، مشک ملتا ہے، اور سندھ، ہندوستان، چین، زنج، حبشہ، فارس، بصرہ، جدہ اور بحرِ قلزم کے سامان اور اموال ملتے ہیں۔“[17] مکہ مکرمہ بھی تجارت کا بہت بڑا مرکز تھا۔ جیسا کہ ایک مصری مورخ لکھتا ہے کہ ”حجاز کے جنوب سے آنے والے تجارتی قافلے مکہ مکرمہ میں منزل کرتے تھے جو یمن اور ہند کا مالِ تجارت شام و مصر کو لے جاتے، اور دورانِ سفر مکہ میں قیام کیا کرتے تھے اور معروف کنویں ”زمزم“ سے تازہ دم ہوتے تھے اور اگلے دن کے لئے بقدر ضرورت آبِ زمزم ساتھ بھی لے جاتے تھے۔“[18] اسی طرح مدینہ کے مختلف علاقوں میں بھی عرب کی اشیاء تجارت کا تذکرہ ملتا ہے۔ گویا ہندوستان کے عربوں کے ساتھ گہرے تجارتی مراسم تھے جو بعد میں مزید بڑھتے ہیں اور ان میں رشتہ داریاں بھی پیدا ہو گئیں۔ یہ تعلقات ظہورِ اسلام کے بعد بھی جاری رہے۔

ہندوستان میں طلوعِ اسلام

اگر ایک لمحہ کے لئے اس عام مفروضے کو مان بھی لیا جائے کہ ہندوستان میں اسلام کی روشنی بزورِ شمشیر پھیلی تو یہ واقعہ ۹۳ ہجری کا ہے جب کہ اس سے بہت پہلے عہدِ فاروقی (سن ۱۵ھ) میں مالا بار، اور سراندیپ کے علاقوں میں اسلام کی خوشبو پھیلنا شروع ہو گئی تھی اور سلسلہ وار عہد عثمانیہ سے خلافت امیہ تک یکے بعد دیگرے بہت سے حضرات رسالت و توحید کی روشنی جنوبی ہند میں لا کر اس علاقے کے گوشہ و کنار کو روشن کرنے میں مصروف عمل تھے، اور اسلام مسلسل پھیل رہا تھا اور لوگوں کے ذہن و دماغ کو مسخر کیے جا رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مالا بار کے راجا ”زمورن یا سامری“ نے ’شقِ قمر‘ کا معجزہ خود دیکھا تھا۔ جس کے بعد اس نے تاریخ اور دن محفوظ کر کے تحقیق شروع کر دی تو اسے معلوم ہوا کہ عرب میں ایک پیغمبر تشریف لائے ہیں۔ انہیں کا یہ معجزہ تھا۔[19] اس کے بعد اس راجا نے دین اسلام قبول کر لیا اور اپنی سلطنت کو چھوڑ کر رحمت دو عالم ﷺ سے ملاقات کے شوق میں ان کی طرف چل پڑا۔ لیکن قبل اس سے کہ وہ اپنی تشنگی بجھاتا، مالکِ حقیقی سے جاملا۔ ہندوستان میں ورودِ اسلام کی تین ادوار میں درجہ بندی کی جاسکتی ہے:

1. ختمی مرتبت رسول خدا ﷺ کا دور۔
2. اصحابِ رسول ﷺ کا دور۔
3. مسلمان فاتحین کا دور۔

ہندوستان میں اسلام کی آمد اور اثرورسوخ میں ان تینوں ادوار کا اہم کردار ہے۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

ا۔ ختمی مرتبت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا دور

اسلام سے قبل بر صغیر کے لوگوں اور عربوں میں بہت ساری چیزیں مشترک تھیں۔ مثلاً دونوں بت پرست تھے۔ دونوں پتھر، لکڑی اور مٹی کے بت تراش کر پوجتے تھے۔ دونوں علاقوں کے لوگ مختلف وساوس واوہام پرستی میں مبتلا تھے۔ رسولِ اسلام ﷺ نے جب مختلف علاقوں کے پیشواؤں کے نام خط لکھے تو بر صغیر کے جو لوگ عرب کے بعض علاقوں میں سکونت پذیر تھے یا تجارت وغیرہ کے سلسلے میں ان سے تعلقات رکھتے تھے، ان کو بھی اس کا علم ہوا۔ اس طرح رسولِ اسلام کی بعثت اور دعوتِ اسلام کی اطلاع اہل ہند کو ہوئی اور وہ اس دعوت سے ذہنی اور فکری اعتبار سے متاثر ہوئے۔

چنانچہ رسول خدا ﷺ کے دور میں ہند اور اہلِ ہند ایک خاص اہمیت کے حامل مانے جاتے تھے۔ ہند کا تذکرہ مختلف روایات میں بھی موجود ہے۔ جیسا کہ ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ ایک ہندوستانی حکمران نے آنحضرت ﷺ کو زنجبیل (سونٹھ) کا تحفہ بھیجا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''أهدى ملك الهند إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم جرة فيها زنجبيل فأطعم أصحابه قطعة قطعة وأطعمني منها قطعة'' [20] (ہندوستان کے بادشاہ نے رسول ﷺ کو زنجبیل (یعنی سونٹھ) کا ایک گھڑا تحفے کے طور پر بھیجا۔ آپ ﷺ نے اصحابؓ کو اس کا ایک ایک ٹکڑا کھانے کو دیا اور مجھے بھی اس کا ایک ٹکڑا کھلایا۔) اس دور میں ہند کے مختلف علاقوں پر راجاؤں، مہاراجاؤں اور بادشاہوں کی حکومت تھی اس لیے یہ نہیں معلوم کہ یہ تحفہ کس بادشاہ نے بھیجا ہو۔ بڑے آدمی کو کسی بڑے آدمی کی طرف سے تحفہ بھیجنے کا رواج قدیم دور سے چلا آرہا تھا اور رسم اور اپنی عادت کے مطابق آپ ﷺ نے بھی جواباً اسے تحفہ ارسال کیا ہوگا۔

اسی طرح روایات میں غزوہ ہند کا ذکر بھی ملتا ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبانؓ سے روایات وارد ہوئی ہیں۔ حضرت ثوبان کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: '' عِصَابَتَانِ مِنْ أُمَّتِي أَحْرَزَهُمَا اللهُ مِنَ النَّارِ عِصَابَةٌ تَغْزُو الْهِنْدَ وَعِصَابَةٌ تَكُونُ مَعَ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ '' [21] (میری امت میں دو گروہ ایسے ہیں جن کو اللہ کی ذات نارِ جہنم سے محفوظ رکھے گی؛ ایک جو ہند کے جہاد میں حصہ لے گا اور دوسرا وہ جو عیسی ابن مریمؑ کی حمایت کرے گا۔) اسی مفہوم کی روایت مسند احمد اور سنن نسائی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی مرقوم ہے۔ البتہ ان روایات کی صحت قابلِ تحقیق امر ہے۔ اس کے علاوہ بھی بعض روایات میں ہند اور ہندی لوگوں کا ذکر روایات میں ملتا ہے۔ بخاری میں موجود روایت میں معراج کے ذکر میں رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا کہ میں

نے جنابِ عیسیٰؑ، جنابِ موسیٰؑ اور جنابِ ابراہیمؑ کو دیکھا، حضرت موسیٰؑ گندمی رنگت کے اچھی قامت کے آدمی تھے، گویا کہ وہ جاٹوں میں سے تھے۔[22]

ترمذی میں ایک طویل روایت ہے جس میں حضرت عبد اللہ ابن مسعود نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ آپ ﷺ کے ہمراہ مکہ کی ایک وادی میں گیا اور وہاں جنوں کو دیکھا۔ انہوں نے اس روایت میں جنوں کو ہند کے جاٹوں سے تشبیہ دی ہے۔ فرمایا: "حَيْثُ أَرَادَ فَبَيْنَا أَنَا جَالِسٌ فِي خَطِّي إِذْ أَتَانِي رِجَالٌ كَأَنَّهُمُ الزُّطُّ أَشْعَارُهُمْ وَأَجْسَامُهُمْ لاَ أَرَى عَوْرَةً وَلاَ أَرَى قِشْرًا"[23] (پس میں جب اپنے گرداگرد کھنچے دائرے میں بیٹھا تھا تو اچانک چند افراد میرے پاس آئے جو جسم اور بالوں سے جاٹ لگتے تھے۔ میں نے نہ ان کا سِتر دیکھا اور نہ ان کی کھال)

عرب ہند تجارت اور جہاز رانی نے ان دونوں قوموں کو کافی قریب کر دیا تھا۔ مکہ اور مدینہ میں جاٹوں کی کثیر تعداد موجود تھی۔ لہٰذا ان علاقوں کی خبروں کو دوسرے علاقوں تک پہنچنا ان جہاز رانوں اور تاجروں کی وجہ سے آسان ہو چکا تھا۔ چنانچہ سراندیپ (سری لنکا) کے اس وفد کا واقعہ بھی تاریخ کی کتب میں ملتا ہے جس نے رسول ﷺ کی بعثت و رسالت کا واقعہ سن کر مدینہ کی طرف رختِ سفر باندھا تھا مگر جب پہنچا تو رسول اکرم ﷺ انتقال فرما چکے تھے اور اس وفد نے واپس آکر آپ ﷺ کے اخلاق و کمالات کا پرچار کیا۔ تفصیلی واقعہ چوتھی صدی کے مشہور جہاز ران اور سیاح کی کتاب 'عجائب الہند' میں مرقوم ہے۔

لیکن کیا عرب میں مقیم یہ جاٹ رسول خدا ﷺ کے دور میں مسلمان ہو گئے تھے؟ یہ کہنا مشکل ہے۔ البتہ ان تک دعوتِ اسلام پہنچ چکی تھی۔ ان میں سے بہت سوں سے اسلام بھی قبول کر لیا تھا۔ ان کی اکثریت نے اسلام عہدِ صحابہ میں قبول کیا۔ جیسا کہ قاضی اطہر مبارکپوری نے لکھا ہے کہ "یہ قطعی ہے کہ عہدِ رسالت میں یمن اور بحرین کے حدود کے بعض جاٹ مسلمان ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت بیرزطن ہندی یمنی جو عہدِ رسالت میں اسلام لائے غالباً جاٹ نسل سے تھے۔ البتہ عہدِ فاروقی میں جب ۱۴ ہجری میں بصرہ آباد کیا گیا تو یہاں مسلمان جاٹوں کی بڑی تعداد موجود تھی جو بنو حنظلہ کے ساتھ رہتی تھی۔"[24]

اس زمانے میں برصغیر اور عرب و چین میں تجارت کی وجہ سے ایک دوسرے کے ملکوں میں لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا، لہٰذا آپ ﷺ کی بعثت و نبوت کی خبر چین میں بھی پہنچ چکی تھی۔ اور حصول علم کے حوالے سے آپ ﷺ سے مروی بعض روایات میں بھی چین کا ذکر آیا ہے۔ فرمایا: "أُطْلُبُوا الْعِلمَ وَلَوبِالصِّيْنِ"[25] (علم حاصل کرو چاہے اس کے لیے تمہیں چین جانا پڑے)۔ الغرض رسولِ اسلام ﷺ کے دور میں بھی ہند کو تجارت، ہندی تلواروں، خوشبودار مسالوں اور منڈیوں میں ان کی اشیاء کی وجہ سے خاصی اہمیت حاصل

تھی۔ایک خاصی آبادی بھی عرب کے علاقوں میں موجود تھی، جن کو اسلام کی تبلیغ بھی کی گئی۔ہند اور ہندی لوگوں کا تذکرہ رسول ﷺ اور آپؐ کے اصحاب کی زبانوں پر ملتا ہے۔اسی طرح ہند میں پچیس کے قریب اصحابِ رسول کی آمد بھی تاریخ کی کتب میں ملتی ہے جس کو اگلے صفحات میں بیان کیا جائے گا۔ مگر یہ سب اصحاب وصالِ رسول ﷺ کے بعد آئے۔ ہند میں باقاعدہ آپ ﷺ کی طرف سے اسلام کی دعوت کے حوالے سے دو روایات ملتی ہیں مگر وہ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتیں۔

۲۔اصحاب رسول اللہ ﷺ اور تابعین کا دور

خطۂ برصغیر میں تشریف لانے والے صحابہ کرامؓ کی کل تعداد پچیس معروف ہے۔ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں بارہ، حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں پانچ، حضرت علی مرتضیٰؑ کے دورِ خلافت میں تین، حضرت معاویہ کے دور میں چار اور ایک یزید ابن معاویہ کے دورِ حکومت میں آئے۔ ان میں مُخَضْرَمْ[26] اور مُدْرِكْ[27] بھی شامل ہیں۔ان اصحاب کے نام اور ان کا مختصر تعارف حسبِ ذیل ہے:

عہدِ فاروقی میں درج ذیل اصحاب برصغیر میں تشریف لائے:

۱۔ حضرت عثمان بن ابوالعاص ثقفی نے ہندوستان میں تین جنگیں لڑیں۔

۲۔ حکم بن ابوالعاص ثقفی نے گجرات میں بھڑوچ، بندرگاہ، تھانہ کے علاقے فتح کیے۔

۳۔ مغیرہ بن ابوالعاص ثقفی نے سندھ کا شہر دیبل فتح کیا۔

۴۔ ربیع بن زیاد حارثی مذحجی نے مکران اور کرمان میں جہاد کیا جو کہ سندھ کے علاقے تھے۔

۵۔ حکم بن محمد بن عمرو تغلبی غفاری نے بھی مکران کے علاقہ میں جنگ میں حصہ لیا۔

۶۔ عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان انصاری نے بھی مکران کے معرکہ میں شمولیت اختیار کی۔

۷۔ سہل بن عدی بن مالک خزرجی انصاری نے جنگِ مکران میں شرکت کی۔

۸۔ شہاب بن مخارق بن شہاب تمیمی بھی فتحِ مکران میں شریک ہوئے۔

۹۔ صحار بن عباس عبدی فتحِ مکران میں شریک ہوئے،

۱۰۔ عاصم بن عمرو تمیمی نے سجستان اور سندھ کے نواحی علاقوں کو فتح کیا۔

۱۱۔ عبداللہ بن عُمیر اشجعی کی کمان میں سندھ کے بعض علاقے فتح ہوئے۔

۱۲۔ نسیر بن وُیسم بن ثور عجلی جو کہ مُخضَرم صحابی تھے، نے بلوچستان کا بعض حصہ فتح کیا۔

حضرت عثمانؓ کے دورِ حکومت میں پانچ صحابہ ہند میں تشریف لائے:

۱۳۔ حُکیم بن جبلہ اسدی بلادِ ہند کے پہلے سیّاح اور ان علاقوں کے عالم اور ماہر تھے۔

۱۴۔ عبید اللہ بن معمر بن عثمان قرشی تمیمی نے مکران کی جنگ میں شرکت کی اور گورنر بھی مقرر ہوئے۔
۱۵۔ عمیر بن سعد صحابی کے پاس بھی کچھ عرصہ مکران کی ولایت رہی۔
۱۶۔ مجاشع بن مسعود بن ثعلبہ سَلمی نے بلوچستان کی فتح میں شرکت کی۔
۱۷۔ عبدالرحمٰن بن سَمُرہ بن حبیب قرشی تمیمی وہ صحابی ہیں جن کی کمان میں کابل اور سجستان کے علاقے فتح کیے گئے۔
حضرت علیؑ کے دور میں تین صحابہ برصغیر میں وارد ہوئے:
۱۸۔ خریت بن راشد ناجی سامی سندھ اور مکران کے عالقہ آئے۔
۱۹۔ عبید اللہ بن سوید تمیمی شقریؓ جو ایک محضرم صحابی تھے اور سندھ کی جنگ میں شرکت کی۔
۲۰۔ کُلیب ابو وائل کو بعض موَرخین نے صحابی جبکہ بعض نے تابعی لکھا ہے، جو سرزمینِ ہند میں آئے۔
امیرِ شام، حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے دورِ حکومت میں یہ صحابہ برصغیر آئے:
۲۱۔ مہلب بن ابو صفرہ ازدی عتکی نے سندھ کے ایک شہر اور موجودہ صوبہ خیبر پختونخواہ کے شہر کوہاٹ اور بنوں تک پیش قدمی کی۔
۲۲۔ عبداللہ بن سوار بن ہمام عبدی نے بعض غزواتِ ہند میں شرکت کی اور شہادت کے درجہ پر فائز ہوئے۔
۲۳۔ یاسر بن سوار بن ہمام عبدی نے قلات کے ایک پہاڑی مقام پر جنگ میں شرکت کی۔
۲۴۔ سنان بن سلمہ بن محبق ہذلی کا تعلق بنو ہذیل سے تھا، وہ ایک بار ہند کے بعض علاقوں کے گورنر اور والی بنے۔
۲۵۔ منذر بن جارود عبدی نے قلات اور بوقان کے بعض علاقوں میں جہاد میں شرکت کی اور یہیں انتقال فرمایا۔[28]

ہندوستان میں آمدِ اسلام کے حوالے سے ملتا ہے کہ بنی ثقیف کے تین بھائیوں نے رسول خدا ﷺ سے یہ حدیث سن رکھی تھی کہ جہادِ ہند میں حصہ لینے والا لشکر جنتی ہو گا۔ لہٰذا وہ بعض دیگر صحابہ کے ساتھ ہندوستان کی طرف چلے۔ یہ ممبئی کے پاس ساحل پر اترے تو تھانہ، بھڑوچ اور دیبل کے بعض مقامی لوگوں کی طرف سے ان کا مقابلہ کیا گیا لیکن ان اصحاب کو کو فتح حاصل ہوئی۔ بعض اصحاب نے ادھر ہی رکنے کا فیصلہ کیا اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے کوششوں میں مصروف ہو گئے۔ جبکہ دیگر اصحاب کچھ روز قیام کے بعد اپنے وطن واپس چلے گئے۔ جب یہ لوگ حضرت عمر فاروقؓ کے حضور پہنچے تو وہ ان سے سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ جنہیں تم میری اجازت اور تیاری کے بغیر ساتھ لے گئے، اگر ان لوگوں کو کوئی نقصان پہنچتا تو اس کا بدلہ میں تم سے لیتا۔[29]

گویا سندھ اور ہند کے مختلف علاقوں میں ابتدائی عرب مسلم مجاہدین کی طرف سے باقاعدہ حملے شروع ہو گئے تھے جس کے نتیجہ میں متعدد علاقے مسلمانوں کے زیرِ اثر آگئے تھے لیکن سندھ پر فیصلہ کن حملہ اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں ۹۳ ہجری میں محمد بن قاسم کے زیرِ کمان ہوا، جس میں پورا سندھ فتح کر لیا گیا اور دور دراز علاقوں میں اسلام کے جھنڈے گاڑھ دیے گئے۔ چنانچہ ان فتوحات کے باعث تابعین کی ایک بڑی تعداد نے بلادِ ہند کا رخ کیا۔ ان تابعین میں چالیس سے زائد افراد کا کتب تاریخ میں تذکرہ ملتا ہے جو اس علاقے میں آئے۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو مختلف ادوار میں جہاد کی غرض سے آئے اور وہ بھی تھے جو تبلیغ و اشاعتِ دین کے لئے تشریف لائے۔ بعض تابعین انہی علاقوں کے رہائشی تھے۔ ان حضرات نے توحید اور حدیث وسنت رسول ﷺ کی نشر واشاعت اور ترویج کو اپنا مطمعِ نظر ٹھہرائے رکھا اور یوں پورے خطے میں اسلام کا بول بالا ہوا۔

۳۔ مسلمان فاتحین کا دور

جیسا کہ بیان کیا گیا کہ مسلمان مختلف ادوار میں سندھ کے مختلف علاقوں پر حملہ آور ہوتے رہے مگر کوئی حتمی نتیجہ سامنے نہ آسکا۔ البتہ منظّم حملہ عباسی خلیفہ ولید بن عبد الملک کے دورِ حکومت میں جب عراق پر حجاج بن یوسف کی حکومت تھی، محمد بن قاسم کی سربراہی میں کیا گیا۔ اس حملے کی وجہ بعض روایات میں دیبل کے ساحلی علاقے میں راجہ داہر کی طرف سے بعض مسلمانوں کے اموال پر قبضہ کرنے اور ان کی خواتین کو اسیر کرنا بتائی گئی ہے۔ محمد بن قاسم سندھ کو فتح کرتے ہوئے جنوبی پنجاب میں ملتان سمیت کئی علاقوں تک جا پہنچا۔ ان علاقوں کو عملی طور پر اسلامی سرزمین کا حصہ بنایا گیا، اسلام کی ترویج و اشاعت کے لئے شہر آباد کیے گئے، مساجد و مدارس کی تعمیر کی گئی۔ ان فتوحات کا سلسلہ محمد بن قاسم کے بعد ایک دم رک گیا تھا۔ پھر بھی ملتان اور سندھ پر اہل عرب دو سو سال سے زائد عرصہ قابض رہے اور چوتھی صدی ہجری تک خلیفہ سندھ پر اپنے والیوں کو مقرر کرتا رہا، اور پھر سندھ میں عربوں کی غیر مستقل ریاستوں کا قیام عمل میں آیا؛ یعنی ملتان اور منصورہ۔[30]

چوتھی صدی ہجری (۹۷۶ء) میں سبکتگین غزنوی (۹۴۲۔۹۹۷ء) نے موجودہ پشاور کے قریب 'جے پال' کو شکست فاش دی اور 'لمغان' یعنی جلال آباد سے دریائے سندھ تک کے علاقوں کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ ان جنگوں کے نتیجہ میں بر صغیر کی فوجی و دفاعی کمزوری مسلمانوں پر واضح ہوئی اور سندھ کے علاقوں میں ایک طاقت ور حکومت اسلامی کا قیام عمل میں آیا جو آہستہ آہستہ پنجاب سمیت دیگر علاقوں تک جا پہنچی اور بر صغیر کی فتح کے امکان بھی روشن ہو گئے۔ اس کے علاوہ سبکتگین نے پشاور اور غزنی میں بٹے ہوئے افغان قبائل سے دوستانہ مراسم قائم کرکے وہ سارے علاقے جو ان کے قبضہ میں تھے ان کے حوالے کر دیے جس کے نتیجہ میں متحدہ افغان قوم کی بنیاد پڑی جو اسلام قبول کرکے غزنی سلطانوں کی افواج کا حصہ بن گئے۔[31]

گیارہویں صدی عیسوی میں سبکتگین کے بیٹے سلطان محمود غزنوی (۹۹۷تا۱۰۳۰ء) نے سن ۱۰۰۱ء میں درّہ خیبر کے مضافاتی علاقوں کو اپنی دسترس میں لے لیا۔ یمین الدولہ ابوالقاسم محمود ابن سبکتگین المعروف محمود غزنوی (۲ نومبر ۹۷۱ء تا ۱۰۳۰ء) ۹۹۷ء سے اپنے انتقال تک سلطنت غزنویہ کا حکمران تھا۔ اس کی وسیع سلطنت میں موجودہ مکمل افغانستان، ایران اور پاکستان کے کئی حصے اور شمال مغربی بھارت شامل تھا۔[32] وہ تاریخ اسلامیہ کا پہلا حکمران تھا جس نے سلطان کا لقب اختیار کیا۔ محمود غزنوی نے متعدد حملوں کے بعد آخری حملہ سن ۱۰۲۵ء میں کیا اور سومنات کو فتح کر لیا۔ محمود غزنوی کے مفتوحہ دیگر علاقوں میں ملتان، کانگڑہ، تھانیسر، نگر کوٹ، کالنجر، کشمیر، قنوج اور گوالیار شامل ہیں۔[33]

محمود غزنوی کے حملوں کی ایک بنیادی وجہ وہاں کی چھوٹی ریاستوں کی باہمی چپقلش بھی بتائی جاتی ہے جس کے باعث بعض مظلوم ریاستوں نے محمود غزنوی کو حملہ کی دعوت دی۔ سلطان محمود غزنوی کے بعد اس کے جانشینوں نے ۱۵۰سال تک ان علاقوں پر قبضہ جمائے رکھا۔ سلطنتِ غزنی کے خاتمے کے بعد غوری خاندان کی حکومت قائم ہوئی۔ اگرچہ یہ حکومت صرف ۵۰ سال قائم رہی، مگر اسلامی تاریخ میں اس کو بہت اہمیت حاصل ہے، کیونکہ اس دور میں شمالی ہند اور بنگال میں پہلی مرتبہ اسلامی حکومت کی بنیادیں پڑیں۔ جس میں غیاث الدین اور شہاب الدین محمد غوری کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

سلطان شہاب الدین غوری اپنے بھائی کا نائب تھا جو ۵۹۸ھ میں اپنے بھائی کے انتقال کے بعد پوری غوری سلطنت کا حکمران بن گیا۔ شہاب الدین غوری نے اپنی فتوحات کا آغاز ملتان اور اوچ سے کیا جس پر غزنویوں کے بعد دوبارہ قرامطی برسرِ اقتدار آگئے تھے، اور ۱۱۷۵ء میں دونوں شہر فتح کر لئے۔ اس کے بعد ۱۱۷۹ء میں پشاور اور ۱۱۸۲ء میں دیبل کو فتح کرکے غوری سلطنت کی حدود کو بحیرہ عرب کے ساحل تک بڑھا دیا۔ شہاب الدین نے ۱۱۸۶ء میں لاہور پر قبضہ کرکے غزنوی خاندان کی حکومت ہمیشہ کے لئے ختم کر دی۔ فتح لاہور کے بعد شہاب الدین نے بھٹنڈہ فتح کیا جس پر دہلی اور اجمیر کا ہندو راجا پرتھوی راج چوہان ایک زبردست فوج لے کر اس کے مقابلے پر آیا اور تلاوڑی کے مقام پر شہاب الدین کو شکست دی، لیکن شہاب الدین نے اگلے ہی سال اس شکست کا بدلہ چکا دیا اور پرتھوی راج کو شکست دے کر اسے قتل بھی کر دیا۔ اس کے بعد شہاب الدین نے دہلی اور اجمیر کو فتح کیا اور اس کے سپہ سالار بختیار خلجی نے بہار اور بنگال کو زیر نگیں کیا۔ یوں پورا شمالی ہندوستان اور پاکستان کا علاقہ مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔ دوسری طرف غوری اور خوارزم شاہی سلطنت کے درمیان جنگوں کا سلسلہ بھی پرانا تھا۔ لہٰذا شہاب الدین ۶۰۱ھ میں سلطنت خوارزم تک جا پہنچا لیکن وہاں اس کو شکست ہوئی اور یہ بات مشہور ہو گئی کہ محمد غوری جنگ میں قتل ہو گیا ہے۔

اس افواہ کے بعد پنجاب کے کھوکھروں نے بغاوت کر دی۔ جس پر سلطان محمد غوری فوراً پنجاب لوٹا اور بغاوت کا سر کچل دیا۔ جب وہ واپس جا رہا تھا تو دریائے جہلم کے کنارے ایک اسماعیلی فدائی نے حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ شہاب الدین کے بعد غوری خاندان کی حکومت بھی ختم ہو گئی۔ ہرات اور غزنی کے علاقوں پر خوارزم شاہ کی حکومت قائم ہو گئی اور برصغیر پاک وہند میں محمد غوری کے وفادار غلام اور دہلی میں سلطان کے نائب قطب الدین ایبک نے ایک مستقل مسلمان حکومت قائم کرلی۔ غوری سلطنت کے بعد برصغیر خاندانِ غلاماں، خلجی، تغلق، سادات اور لودھی حکمرانوں کے زیر دست رہا، یہاں تک کہ سن 1526ء میں ظہیر الدین بابر (مغل بادشاہ) نے مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی۔

ہندوستان پر مسلم حکومتوں کے اثرات ونتائج

ہندوستان پر مسلم تہذیب وتمدن کے اثرات کے حوالے سے علامہ شبلی فرماتے ہیں کہ کسی غیر قوم کا کسی غیر ملک پر قبضہ کرنا کوئی جرم نہیں ورنہ دنیا کے سب سے بڑے فاتح سب سے بڑے مجرم ہوں گے۔ لیکن یہ دیکھنا چاہیے کہ فاتح قوم نے ملک کی تہذیب و تمدن پر کیا اثر پیدا کیا ہے۔ چنگیز خاں دنیا کا عظیم فاتح تھا؛ لیکن اس کا اقتدار ظلم و بربریت کے سبب تھا۔ مرہٹوں نے ایک دور میں تمام ہندوستان پر حکومت کی، رعایا سے آمدنی کا چوتھا حصہ وصول کیا اور نگل گئے۔ جب ایک متمدن قوم جب کسی ملک پر تسلط حاصل کرتی ہے تو وہاں کی تہذیب و تمدن دفعتاً تبدیل ہو جاتی ہے، سفر کے ذرائع، رہن سہن کے طریقے، کھانے پینے کے آداب اور طریقے، وضع ولباس کا اندازہ، مکانوں کی سجاوٹ، گھروں کی صفائی، تجارت کے سامان، صنعت وحرفت کی حالت، ہر چیز پر ایک نیا عالم نظر آتا ہے۔ اگرچہ مفتوح قوم ضد کے باعث احسان نہ مانے لیکن در و دیوار سے شکر گذاری کی صدا بلند ہوتی ہے۔[34]

شاہانِ اسلام نے ہندوستان کو اپنا وطن سمجھا اور اس کو ترقی کی سمت گامزن کرنے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ نیز اس کو دیدہ زیب اور پر کشش بنانے میں پوری دلچسپی کا مظاہرہ کیا، جس کی مولانا علی میاں ندوی یوں منظر کشی کرتے ہیں: "مسلمان اگرچہ ہندوستان میں فاتح کی حیثیت سے آئے لیکن اجنبی حکمرانوں کی طرح انہوں نے اس کو محض تجارت کی منڈی اور حصولِ دولت کا ذریعہ نہیں سمجھا بلکہ اس کو وطن بنا کر یہیں رس بس گئے اور مرنے کے بعد بھی اس کی خاک کے پیوند ہوئے۔ اس لیے انہوں نے حکومت وسیاست، علم وفن، صنعت وحرفت، زراعت و تجارت، تہذیب ومعاشرت، ہر حیثیت سے اس کو ترقی دے کر صحیح معنوں میں ہندوستان کو جنت نشاں بنا دیا۔"[35]

اسی لیے اسلامی حکمرانوں نے مختلف تعلیمی ادارے قائم کیے، رفاہِ عامہ کا مکمل نظم و نسق قائم کیا اور پھر ڈاک کے نظام کی راہ ہموار کی۔ مختلف اقسام کے کپڑوں کے بے شمار کارخانے بنوائے، تجارت وزراعت کا صحیح زاویہ سکھایا اور متمدن ممالک کے باہمی اتصال کا سامان مہیا کیا نیز صنعت وحرفت کو بام عروج تک پہنچایا۔ جس کو علامہ شبلی یوں

لکھتے ہیں کہ: "اکبر نے دلی، لاہور، آگرہ، شیخ پور، احمد آباد اور گجرات میں پارچہ بافی کے بڑے بڑے کارخانے جاری کیے اور (یہی نہیں بلکہ) ایران، افغانستان، اور چین سے کاریگر بلوا کر ہر قسم کے قیمتی کپڑے تیار کرائے۔"[36]
محمد بن قاسم کے بعد بہت سارے مسلم حاکم آئے اور کم مدت کے بعد بدلتے رہے، البتہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے دورِ اقتدار میں اہل سندھ و ہند کے نام دعوتی خطوط بھیجے جن میں توحید اور رسالت کی دعوت اور بت پرستی و بداخلاقی سے باز رہنے کی تلقین تھی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سارے ہندو سردار دینِ اسلام میں داخل ہو گئے جن میں سرفہرست 'جے سنگھ بن داہر' کا نام آتا ہے۔
برصغیر کی تاریخ سے عیاں ہوتا ہے کہ 712ء (93ھ) سے لے کر 1857ء تک ہندوستان کے کسی نہ کسی علاقے پر مسلمان حاکم رہے۔ لیکن ہندوستان پر باضابطہ مسلمانوں کی طویل حکومت کا آغاز سلطان ظہیرالدین بابر سے ہوا۔ اس قبل محدود علاقے مسلمانوں کے محکوم رہے، البتہ محمود غزنوی کے دور میں وسعت پیدا ہوئی لیکن اس کے بعد کافی عرصہ تک ایک خلا رہا۔ بہرحال ان رکاوٹوں کے باعث اسلامی تہذیب زیادہ مؤثر انداز نہ اپنا سکی۔ مزید یہ کہ یہاں کے لوگوں میں تعلیم اور تہذیب و تمدن کا بڑا فقدان تھا۔ جو تھوڑی سی تعداد صوفی سنتوں کی تھی بھی تو وہ اس قدر رہبانیت کے گہرے سمندر میں غوطہ زن تھے کہ کوئی خاص تعلیمی و تہذیبی کارکردگی نہ دکھا سکے۔

تبلیغ و اشاعتِ دین کا دور

ہندوستان کی سرزمین پر اسلام کی روشنی صوفیا اور تصوف کے وجود سے پہلے ہی آچکی تھی۔ البتہ دوسری صدی کے آخر اور تیسری صدی ہجری کی ابتداء میں بعض بزرگ، صوفی کہلائے جانے لگے جن کے توسط سے برصغیر میں دین اسلام کی اشاعت کے کام کا مؤثر آغاز ہوا۔ صوفیاء میں دو ہستیوں کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی؛ ایک صوفی علی ہجویری (۱۰۰۹ء تا ۱۰۷۲ء) جو ہندوستان میں سن ۱۰۶۹ء میں تشریف لائے اور دوسرے بزرگ معین الدین چشتی اجمیری (۱۱۴۲ء تا ۱۲۳۵ء) ہیں، جن کی ہندوستان میں آمد ۱۰ محرم ۵۶۱ھ بمطابق ۱۱۶۱ء بتائی جاتی ہے۔ اگرچہ بعض کے مطابق یہ تاریخ ۵۷۷ھ یا ۵۸۰ھ ہونی چاہیے۔[37]
ان کے علاوہ دو اور بزرگ صوفیاء کی آمد بھی ہوئی؛ ایک شیخ محمد اسماعیل بخاری، جو ۳۹۵ھ میں لاہور تشریف لائے۔ ان کے بعد خواجہ ابو محمد بن ابو احمد ہیں جو محمود غزنوی کے ہمراہ ہندوستان میں داخل ہوئے۔[38] مذکورہ شواہد سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمود غزنوی سے پہلے کوئی بھی معروف و غیر معروف صوفی یا بزرگ ہندوستان میں نہیں آیا لیکن مسلمانوں کی آمد اس سے بہت پہلے ہو چکی تھی جیسا سابقہ سطور میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

صوفیاء و علماء کی تبلیغات کے اثرات

اہل تصوف خصوصاً ہندوستان کے صوفیائے عظام نے اسلام کو وہ رونق بخشی اور بجائے تیر و تلوار کے محض حسن عمل اور اخلاق محمدی ﷺ کے ذریعے اس دین کی وہ اشاعت کی کہ ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں میں ایک بڑی اکثریت یقیناًان ہی بزرگوں کے فیوض و برکات کا نتیجہ ہے۔ تاریخ دیکھی جائے تو برصغیر میں اسلام کو مکمل طور پر صوفیاء کا کارنامہ قرار دینے کی بات سب سے پہلے مستشرق مصنفین خصوصاپروفیسر آرنلڈ نے کی تھی، اسی وجہ سے پروفیسر آرنلڈ کی کتاب "پریچنگ آف اسلام" کو نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا بھر میں غیر معمولی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی، جس میں ہندوستان کے حوالے سے بحث میں اسلام کی اشاعت کا سارا سہرا صوفیائے کرام کے سر ڈال دیا گیا ہے اور کم از کم اس اعتراض سے تو ہندی مسلمانوں کو نجات ملی جو دوسرے انگریز مؤرخوں نے کیا تھا کہ برصغیر میں اسلام کی جبری اشاعت ہوئی ہے اور سلاطین وقت نے تلوار کے ذریعہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا تھا۔ چنانچہ پروفیسر آرنلڈ اسلام کے تبلیغی پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

From its very inception Islam has been a missionary religion, both in theory and in practice, for the life of Muhammad exemplifies the same teachings and the Prophet himself stands at the head of a ling series of Muslim missionaries who have won an entrance for their faith into the hearts of unbelievers.[39]

یعنی: "اپنی ابتداء سے ہی اسلام، نظریاتی و عملی ہر دو حوالے سے ایک تبلیغی دین ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی ایسی تعلیمات کا نمونہ ہے۔ اور آپ ﷺ مبلغین کے اُس طویل سلسلے کے سرخیل ہیں جنھوں نے اپنے ایمان کے ذریعہ کفار کے دلوں میں گھر کیا۔"

خاص طور پر ہندوستان میں اسلام کی اشاعت و ترویج میں صوفیاء کے کردار کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

Among the fifty-seven millions of Indian Musalmans there are vast numbers of converts or descendants of converts, in whose conversion force played no part and the only influences at work were the teaching and persuasion of peaceful missionaries.[40]

یعنی: "ستاون ملین ہندوستانی مسلمانوں میں مذہب تبدیل کرنے والوں اور ان کی اولاد کی ایسی بڑی تعداد موجود ہے کہ جن کے تبدیلی مذہب میں جبر کا کوئی کردار نہیں، بلکہ یہ پرامن مبلغین کی تعلیمات اور ترغیب کے اثرات تھے۔"

برصغیر میں ترویج اسلام کے عمدہ عوامل

برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی اشاعت و ترویج میں مبلغین اور صوفیاء نے اپنے پرامن پیغام کے ذریعے اہم کردار ادا کیا۔ تاریخی طور پر سندھ اور ہند میں ممتاز علماء پیدا ہوئے جنہوں نے مختلف علوم مثلاً حدیث، تفسیر، نحو، ادب، فقہ، اور شعر وشاعری میں بہت بڑا مقام پیدا کیا ہے اور مقامی لوگوں کی ایک کثیر تعداد کو حلقہ بگوشِ اسلام کیا۔ برصغیر میں اسلام کی اشاعت کی کامیابی کے پیچھے مندرجہ ذیل اسباب وعوامل کارفرما تھے:

۱۔ عرب تجار کی تبلیغی مساعی ۲۔ سلاطین کے حملے اور رعایا سے رواداری ۳۔ علماء کی تدریسی، تقریری اور تحریری خدمات اور ۴۔ صوفیاء کرام کی جدوجہد ۵۔ انسانی مساوات وبشر دوستی کا اسلامی عقیدہ ۶۔ ذات پات کی تفریق سے نفرت وبیزاری کا عملی درس۔ان میں سے ہر عامل نے اپنے اپنے خطوط پر نمایاں کردار ادا کیا۔سلاطین نے ملک فتح کرکے یہاں کے باشندوں کو ایک مرکز سے جوڑا اور مسلمانوں کو ان کے درمیان رہنے کا موقع فراہم کیا جن کی معاشرت، تہذیب اور عادات واطوار سے مقامی باشندے متاثر ہوئے اور اس طرح گاہے بہ گاہے وہ اسلام قبول کرکے مسلمان معاشرے میں ضم ہوگئے۔ اگر مسلمان ہندوستان میں سیاسی افق پر کمزور ہوتے تو بقول ایک ہندو دانشور کہ یہ بھی امکان تھا کہ ہندی ادیان کے گھنے جنگل میں اسلام کی شخصیت ہی گم ہوجاتی، قطع نظر اس کے مسلمانوں کی تعداد کتنی ہوتی؟

اگر سلاطین نہ ہوتے تو پھر صوفیائے کرام جو سلاطین وقت سے الگ تھلگ ہو کر دین کی دعوت کو عام کیے ہوئے تھے کیسے اور کیوں کر یہاں آتے اور کون انہیں اپنے کفرستان میں قال اللہ و قال الرسول کی آواز بلند کرنے کی اجازت دیتا جسے سن کر، دیکھ کر اور ان کے کشف و کرامات سے متاثر ہو کر بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا جس کی تعداد کا کوئی حتمی ریکارڈ تو نہیں ملتا البتہ تاریخ اور تذکرہ کی کتابوں میں ایسے واقعات بکھرے پڑے ہیں جن سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ان علماء وبزرگان کی برکت اور ان کی مساعی سے بے شمار لوگ حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔

اسی طرح مسئلہ صرف قبول اسلام تک محدود نہیں بلکہ ان کی تعلیم وتربیت اور دینی فہم کی بھی ضرورت تھی جس کے لیے علماء کرام موجود تھے جو ان کی تعلیم وتدریس کے ذریعہ پرورش وپرداخت کرتے تھے۔ اسی طرح مناظرے کی گرم بازاری نے بھی اسلام کو وسعت دینے میں کافی تقویت پہنچائی ہے۔اسی طرح عرب تجار بھی ملک کے ایک حصے میں اپنے اخلاق و کردار اور صفائے معاملت کی وجہ سے اسلام کی اشاعت میں کوشاں تھے۔ اگر صرف انہیں لوگوں کو اسلام کی اشاعت کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے تو پھر شمالی ہند کے لوگوں کو کس بات نے مجبور کیا کہ وہ اسلام قبول کریں۔ برصغیر میں آمدِ اسلام سے قبل طبقاتی مضبوط نظام موجود تھا۔ معاشرہ مختلف معیارات پر اونچ نیچ کا شکار تھا۔ اسی اسلام کی روشنی پڑنے کے بعد طبقاتی مظالم سے تنگ آئے ہوئے اور پسماندہ ومحکوم ذاتوں

سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی بہت بڑی تعداد نے اسلام کی تعلیمات کو سینے سے لگایا۔ نسل پرستی، طبقاتی و ذات پات کی تقسیم کے برعکس اسلام کا دیا ہوا مساوات و برابری کا نظام زیادہ پسند کیا گیا۔ پیدائش کے ساتھ ہی افراد معاشرہ کی تقدیر کا تعین کر دیا جاتا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ مقامی ہندوؤں میں پست ذات افراد معاشی مسائل کا شکار اور ترقی و صلاحیتوں کے اظہار و استعمال سے یکسر محروم تھے۔ اسلام کی آمد کے بعد ان معاشروں نے سکھ کا سانس لیا اور انہیں یکساں مواقع میسر آئے۔ چنانچہ جواہر لال نہرو نے بھی اپنی کتاب (تلاش ہند) میں ہندوستانی سماج، ہندوستانی فکر، اور ہندوستان کی تمدن و ثقافت پر مسلمانوں کے ناقابل فراموش گہرے اثرات کا اعتراف کیا۔ وہ کہتے ہیں: "ہندوستان میں اسلام کی اور ان مختلف قوموں کی آمد نے جو اپنے ساتھ نئے خیالات اور زندگی کے مختلف طرز لے کر آئے، یہاں کے عقائد اور یہاں کی ہیئت اجتماعی کو متاثر کیا، بیرونی فاتح خواہ کچھ بھی برائیاں لے کر آئے، اس کا ایک فائدہ ضرور ہوتا ہے، یہ عوام کے ذہنی افق میں وسعت پیدا کر دیتی ہے اور انھیں مجبور کر دیتی ہے کہ وہ اپنے ذہنی حصار سے باہر نکلیں۔ تب وہ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ دنیا اس سے کہیں زیادہ بڑی اور بوقلموں ہے جیسی وہ سمجھ رہے تھے۔ بالکل اسی طرح افغان فتح نے ہندوستان پر اثر ڈالا اور بہت سی تبدیلیاں وجود میں آگئیں۔ اس سے بھی زیادہ تبدیلیاں اس وقت ظہور میں آئیں جب مغل ہندوستان میں آئے، کیوں کہ یہ افغانوں سے زیادہ شائستہ اور ترقی یافتہ تھے، انھوں نے ہندوستان میں خصوصیت کے ساتھ اس نفاست کو رائج کیا جو ایران کا حصہ تھی۔"[41]

یہ سب دین اسلام کی فیوض و برکات تھیں۔ یہ اسلام ہی کی عظیم آفاقی تعلیمات ہیں کہ جن کے باعث اقوام عالم نے اسلام کے پیغام کو صحیح طور پر سمجھا اور اس کی ہمہ جہت تعلیمات سے بہرہ مند ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ مسلمان علماء نے انڈیا کے دور دراز علاقوں کا سفر کیا اور لوگوں کو اسلام کی تعلیمات سے روشناس کروایا۔ انہوں نے زیادہ تر صوفیانہ تعلیم کو رواج دیا اور لوگوں کو تعلیم دی۔ باوجود اس کے کہ اہل ہند نے دین اسلام کو قبول کیا مگر صدیوں پر مشتمل ہندو تہذیب کے اثرات آج بھی مکمل طور پر ترک نہیں کیے گئے جن کے اثرات آج بھی مسلمانانِ برصغیر کے ہاں اموات اور شادی بیاہ کے موقعوں پر مشاہدہ کیے جا سکتے ہیں۔

کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا؟

اس میں شک نہیں کہ ہندوستان کے کئی علاقوں کو مسلم حکمرانوں نے ہندو راجاؤں اور حاکموں کو شکست دے حاصل کیا اور اپنی حکومتیں قائم کیں لیکن غیر مسلم حکمرانوں کے برعکس رعایا پر تشدد، ناانصافی اور لڑائیوں کا ذکر بہت کم ملتا ہے۔ ان میں بھی زیادہ تر ناقابل اعتبار کہانیاں ہیں۔ اس لیے کہ اگر ہندوستان میں دین اسلام ظلم، تشدد اور جنگ وجدال اور تلوار کے زور سے پھیلتا تو اس خطہ میں مسلمانوں کی آبادی اس سے کہیں زیادہ ہوتی

چاہیئے تھی جبکہ ایسا نہیں ہے۔بلکہ ہندوستان کا شمالی اور مغربی علاقہ تو مکمل طور پر مسلم آبادی پر مشتمل ہوتا، اس لیے کہ یہاں تو مسلم حکمرانوں نے کئی صدیوں تک حکومت کی ہے، لہٰذا اگر یہ مسلم حکمران ایسا کرنا چاہتے تو بڑی آسانی سے لوگوں کو مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کرسکتے تھے، لیکن صورتحال اس کے برعکس ہے کہ یہاں غیر مسلم مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی بڑی تعداد میں موجود ہیں۔

پھر یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ جن علاقوں میں کبھی مسلم حکومت نہیں رہی، وہاں اسلام مکمل طور پر قابض ہے۔ جیسا کہ ١٦ کروڑ سے زائد آبادی والا مسلم ملک بنگلہ دیش مشرقی علاقہ میں واقع ہے اور وہ ہے بھی کثیر آبادی والے علاقے سے دور، اسی طرح کم افراد پر مشتمل مسلم آبادی مغربی میانمار، سری لنکا اور سنٹرل انڈیا کے مشرقی حصے میں موجود ہیں۔اور ان علاقوں پر مسلمانوں کی حکمرانی بہت کم عرصہ رہی ہے۔لہٰذا دینِ اسلام اگر ظلم و تشدد اور تلوار کی بدولت سے پھیلا ہوتا تو یہ مسلم آبادیاں ان علاقوں میں موجود نہ ہوتیں۔

الغرض ہندوستان کی تاریخ میں اسلامی تاریخ کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔اسلام کی ایک خاص حیثیت کو سمجھنے کی اشد ضرورت ہے۔اگرچہ یہ خطہ گوں ناگوں مذاہب اور عقائد پر مشتمل ہے لیکن اسلام اپنی ذاتی حیثیت و مقام کے ساتھ آج بھی نمایاں ہے۔آج بھی ان اسلامی اقدار کو عملاً زندہ کرنے کی ضرورت ہے جو اقوام کے قلوب کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں اور جنہیں دیکھ کر ہندوستان کی ایک بڑی آبادی نے اسلام کو قبول کیا۔

*****

References

1. Lewis M. Hopfe, *Mazāhib 'Ālam kā Encyclopedia*, Translation: Yāsir Jawād & Sadīah Jawād) (Lahore: Nigārshāt Publishers, 2013), 162.

لیوس مور، *مذاہبِ عالم کا انسائیکلوپیڈیا*، ترجمہ: یاسر جواد، سعدیہ جواد (لاہور، نگارشات پبلشرز، 2013ء)، 162۔

2. Ḳarīm Bakhsh, Malik, *Islām aur Mazāhib-e-'Ālam*, (Lahore: Sheikh Muhammad Bashīr & Sons, 2006), 38.

کریم بخش، ملک، *اسلام اور مذاہب عالم*، (لاہور، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، 2006ء)، 38۔

3. Ibn-e- Ḥanīf, *Bhaharat*, (Multān: Bacon Books, n.a), 20.

ابن حنیف، *بھارت* (ملتان: بیکن بکس، سن ندارد)، 20۔

4- Rashīd Aḥmad, *Tarīkh-e-Mazāhib*, (Quetta: Qalāt Publishers, 2010), 22.

رشید احمد، تاریخ مذاہب (کوئٹہ، قلات پبلشرز، 2010ء)، 22۔

5. Anīs Ahmad Madanī, Falāḥī, *Mazāhib-e-ʹAālam kā aiḳ Taqābulī Mutālʹah*, (Lahore: Maḳtabah Qāsim al-ʿAlum, n.a), 232-233-

انیس احمد مدنی، فلاحی، مذاہب عالم ایک تقابلی مطالعہ (لاہور: مکتبہ قاسم العلوم، سن ندارد)، 232-233۔

6. W.W. Hunter, *Mukhtasar Tārīkh Ahl-e-Hind*, (Lucknow: Munshī Naul Ḳishwar, 1892 AD), 117.

ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر، مختصر تاریخ اہل ہند (لکھنو، مطبع منشی نول کشور، 1892ء)، 117۔

7. Aḳbar Shāh Khān, Najīb Ābādi, *Ā'īnah Ḥaqīqat Numā*, (Karachi, Nafees Academy, 1985), 83-4.

اکبر شاہ خان، نجیب آبادی، آئینہ حقیقت نما (کراچی، نفیس اکیڈمی، 1985)، 83-4۔

8. Ibid. 174-15-

نجیب آبادی، آئینہ حقیقت نما، 174-175۔

9. Ibid.

ایضاً۔

10. The Laws of Manu, Chapter VIII, 270.

منوشاستر، باب ہشتم، 270۔

11. ʿūbaidūllah bin ʿAbdūllah, Ibn Khardādhbah, *Al-masāliḳ wal mamāliḳ* (Lebanon: Dār Sādir, 2004), 57.

عبید اللہ بن عبد اللہ، ابن خرداذبہ، المسالک والممالک (لبنان، دار صادر، 2004ء)، 57۔

12. Mūḥammad bin Jūrair, Ṭabarī, *Tārīkh al-Ṭabarī* (Jordan: Bait al-Afḳār al-Daulīyah, 1901), 460.

محمد بن جریر، طبری، تاریخ الطبری (اردن، بیت الافکار الدولیہ، 1901)، 460۔

13. Mūḥammad Isḥāq, Bhati, Bar-Ṣaghīr mein Islām ḳé Awwalīn Naqūsh, (Lahore: Thaqāfat Islāmīyah, 1990 AD), 18.

محمد اسحاق، بھٹی، برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش (لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1990ء)، 18۔

14. Ibid. 25.

ایضاً، 25۔

15. Aḥmad bin Mūhammad, al-Marzūqī, *Ḳitāb Al-Azmanah wal Amḳanah* (Lebanon: Dar al- Kūtūb al- ʿIlmīyah, 1996), 384.

احمد بن محمد، المرزوقی، کتاب الازمنہ والامکنہ (لبنان، دار الکتب العلمیہ، 1996ء)، 384۔

16. Aḥmad Amīn, *Fajar al-Islām* (Lebanon: Dār al-Ḳitāb al-ʿArabī, 1969) , 3

احمد امین، فجر الاسلام (لبنان: دار لکتاب العربی، 1969ء)، 3۔

17. Ibn-e- Khardādhbah, *Al-Masāliḳ wal Mamāliḳ,* 14.

ابن خرداذبہ، المسالک والممالک، 14۔

18. -----, *Al-Jūmal fī Tarīkh al-'Arabī*, (Cairo: Matbʿah Amīrīyah, 1930), 27

ندارد، الجمل فی تاریخ الادب العربی (قاہرہ، مطبعہ امیریہ، 1930)، 27۔

19. Najīb Ābādhī, *Ā'īnah Ḥaqīqat Numā,* 71-72.

نجیب آبادی، آئینہ حقیقت نما، 71-72۔

20. Mūḥammad bin ʿAbdūllah, Al-Ḥākim, *Al-Mūstadraḳ 'Alā al-Saḥīḥain*, Ḳitāb al-Atʿamah, V.17 (Lebanon: Dār al-Ḳūtūb al-ʿIlmīyah, 1990), Hadith: 7297.

محمد بن عبداللہ، الحاکم، المستدرک علی الصحیحین، کتاب الاطعمۃ، ج 17 (لبنان، دار الکتب العلمیہ، 1990ء)، حدیث نمبر: 7297۔

21. Aḥmad bin Shūʿaib, al-Nasā'ī, *Sanan Nasā'ī,* Ḳitāb al-Jihād, Chapter: Ghazwah al-Hind, V.6, (Halab: Maḳtab al- Maṭbūah al-Islāmiyah, 1986), Hadith: 3175 .

احمد بن شعیب، النسائی، سنن نسائی، کتاب الجهاد، باب غزوۃ الھند، ج 6 (حلب، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، 1986ء)، حدیث نمبر: 3175۔

22. Mūḥammad bin Ismāīl Būkhārī, *al-Jāmi' al-Ṣaḥīḥ*, Ḳitāb al-Anbiyā, Chapter: Wadhkūr fi al-Ḳitāb Maryam, V.3 (Lebanon: Dār Ibn Ḳathīr al-Yamāmah, 1987), Hadith: 3255.

محمد بن اسماعیل، بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الانبیاء، باب واذکر فی الکتاب مریم، ج3 (لبنان، دار ابن کثیر الیمامہ، 1987ء)، حدیث نمبر: 3255۔

23. Mūḥammad bin ʿIsā, Tirmadhī, *Sūnan Al-Tirmadhī*, Kitāb Al-Amthāl, Chap: Mathālūllah Lʿibādih, V.5, (Lebanon: Dār Iḥyā al-Turāth al-ʿArabī, 1999), Hadith 2861.

محمد بن عیسی، ترمذی، سنن الترمذی، کتاب الامثال، باب مثل اللہ لعبادہ، ج5 (لبنان، دار احیاء التراث العربی، 1999ء)، حدیث: 2861۔

24. Qāzī Aṭhar, Mūbāraḳ Pūrī, *'Arab wa Hind 'Ahd-e-Risālat Mein* (Lahore: Takhlīqāt, 2004), 126.

قاضی اطہر، مبارکپوری، عرب وہند عہدِ رسالت میں (لاہور، تخلیقات، 2004ء)، 126۔

25. Mūḥammad Bāqir, Majlasī, *Bihār al-Anwār*, V.1, (Lebanon: Mūassasah al-Wafā, 1992), 177.

محمد باقر، مجلسی، بحار الانوار، ج1 (لبنان، مؤسسۃ الوفاء، 1992ء)، 177۔

26۔ جس نے زمانہ جاہلیت اور عہدِ رسالت بھی پایا، اسی دور میں اسلام بھی قبول کیا مگر رسول اللہ ﷺ سے ملاقات نہ ہو سکی ۔

27۔ جس نے آنحضرت ﷺ کازمانہ پایااور اسلام قبول کیا یا وصال رسول ﷺ کے بعد اسلام قبول کیا۔

28. For Detail: Mūḥammad ibn *S'ad, al-Ṭabaqāt al-Kūbrā*, (Lebanon: Dār Ṣādir, 1968); Aḥmad bin Yaḥyā, al-Balādhrī, *Fūtūh al-Baldān*, (Lebanon: Dār wa Maḳtabah al-Hilāl, 1988); ʿIsmāīl bin ūmar, Ibn Ḳathīr, *Al-Badāyah wa al-Nihāyah*, (Oman: Bait Afḳār al-Dauliyah, 2004).

ان اصحاب کے احوال کے لئے تفصیل ملاحظہ ہو: محمد ابن سعد، *الطبقات الکبری* (لبنان، دار صادر، 1968ء)؛ احمد بن یحیٰ، البلاذری، *فتوح البلدان* (لبنان، دار و مکتبہ الہلال،1988ء) ؛ اسماعیل بن عمر، ابن کثیر، *البدایۃ والنہایۃ* (عمان، بیت افکار الدولیہ،2004)۔

29. Al-Balādhrī, *Fūtūh al-Baldān*, V.3, 530.

بلاذری، *فتوح البلدان*، ج3، 530۔

30. Professor, Abdūllah Malik, , *Tarīkh Pāk wa Hind* (Lahore: Quraishī Brothers, 1972), 35.

پروفیسر، عبداللہ ملک، *تاریخ پاک وہند* (لاہور، قریشی برادرز،1972)،35۔

-31Ibid. 64.

ایضاً،64۔

32. Ibid. 65.

ایضاً،65۔

33. Ibid. 60-61.

ایضاً،60-61۔

34. Shiblī, Nūʿmānī, ʿAllāmah, Islamī Hūkūmat aur Hindūstān mein Us ḳā Tamaddūnī Athar, (Lucknow: Al-Nazīr Press, 1972), 1-2.

علامہ، شبلی، نعمانی، *اسلامی حکومت اور ہندوستان میں اس کا تمدنی اثر* (لکھنو، الناظر پریس،1927ء)، 1-2۔

35 ---, *Hindūstān k Mūsalmānwn ḳé Tamaddūnī Kārnāmé* (Aʿzam Garh: Dār al- Mūsanifīn, 2013), 1.

ندارد، *ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے تمدنی کارنامے* (اعظم گڑھ، دارالمصنفین،2013ء)، 1۔

36. Shiblī Nūʿmānī, *Islamī Hūkūmat aur Hindūstān mein Us ḳā Tamaddūnī Athar*, 7.

شبلی نعمانی، *اسلامی حکومت اور ہندوستان میں اس کا تمدنی اثر*، 7۔

37 ʿAbdūl Raḥmān, *Kaylānī, Shariyat wa Ṭarīqat* (Lahore: Maḳtabah al-salām, 2006), 381.

عبدالرحمٰن، کیلانی، *شریعت وطریقت* (لاہور، مکتبۃ السلام،2006ء)، 381۔

38. Professor, Khālīq Aḥmad Nizāmī, *Tarīkh Mashāikh Chisht* (Islamabad: Dāirah al-Musanifīn, 1982 AD), 145.

پروفیسر، خلیق احمد، نظامی، تاریخ مشائخ چشت (اسلام آباد، دائرۃالمصنّفین، 1982ء)، 145۔

39. T.W. Arnold, *The preaching of Islam* (London: Archibald Constable & Co. 1896), 4.

40. Ibid, p.208.

41. Abul Hasan Alī, Nadavī, *Al-Mūslimūn fil Hind* (Damascus: Dār Ibn-e-Ḳathīr, 1999), 42.

ابوالحسن علی، ندوی، المسلمون فی الہند (دمشق، دار ابن کثیر، 1999ء)، 42۔